کمون و بروز (پوشیدہ ہونا اور ظاہر ہو جانا) جو بعض مشائخ نے بیان کیا ہے اس کا تناسخ سے بالکل کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ تناسخ میں نفس کا تعلق دوسرے بدن کے ساتھ اس لئے ہوتا ہے کہ اس کے لئے حیات و زندگی ثابت ہو اور اس کو حس و حرکت حاصل ہو۔ اور بروز میں نفس کا تعلق دوسرے بدن سے اس غرض کے حصول کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس بدن کو کمالات حاصل ہوں اور درجات وصول ہو جائیں۔ جیسا کہ جن کسی فردِ انسانی کے ساتھ تعلق پیدا کر لے اور اس شخص کے جسم میں بروز (ظہور) کرے تو اس کا یہ تعلق اس شخص کی زندگی کے واسطے نہیں ہے کیونکہ وہ شخص تو اس تعلق سے پہلے بھی زندہ حساس اور متحرک ہے۔ اور وہ چیز جو اس تعلق سے اس میں پیدا ہو گئی ہے وہ اس جن کی صفات و حرکات اور سکنات کا ظہور ہوتی ہے۔ لیکن مستقیم الاحوال مشائخ کمون و بروز کے بارے میں لب کشائی نہیں کرتے اور ناقصوں کو بلا اور فتنہ میں نہیں ڈالتے ——— اس فقیر کے نزدیک کمون و بروز کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ اگر کوئی کامل کسی ناقص کی تربیت کرنا چاہتا ہے تو بغیر اس کے کہ اس میں بروز کرے خداوند جل سلطانہٗ کی قدرت سے اپنی صفاتِ کاملہ کو ناقص مرید میں منعکس کر دیتا ہے اور توجہ والتفات سے اس انعکاس کو ثبات و قرار دیدیتا ہے تاکہ ناقص مرید نقص سے کمال کو پہنچ جائے اور رذیلہ خصلتوں کو چھوڑ کر صفاتِ حمیدہ اختیار کر لے اور کمون و بروز کچھ بھی درمیان میں نہ ہو۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (ترجمہ آیۃ کریمہ) یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)۔

اور بعض دوسرے مشائخ نقلِ ارواح کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ روح کو کمال حاصل ہونے کے بعد اس قسم کی قدرت حاصل ہو جاتی ہے کہ اگر وہ چاہے تو اپنے بدن کو چھوڑ کر دوسرے شخص کے بدن میں داخل ہو جائے۔ چنانچہ نقل کرتے ہیں کہ ایک عزیز جو یہ کمال اور قدرت رکھتا تھا اس کے پڑوس میں کسی نوجوان کا انتقال ہوا۔ اس عزیز نے اپنے بدن کو جو بوڑھا ہو چکا تھا اس کو چھوڑ کر اس نوجوان کے بدن میں داخل ہو گیا، حتیٰ کہ اس کا پہلا بدن مُردہ ہو گیا اور اس کا بدنِ ثانی (مُردہ جوان کا بدن) زندہ ہو گیا۔ اس قول سے تناسخ لازم آتا ہے کیونکہ بدنِ ثانی کا تعلق اس بدن کی زندگی کے لئے ہو گیا۔ ہاں فرق اسقدر ہے کہ جو لوگ تناسخ کے قائل ہیں وہ نفس کے نقص کا حکم کرتے ہیں اور تناسخ کو نفس کی تکمیل کیلئے ثابت کرتے ہیں اور جو لوگ نقلِ روح کے قائل ہیں وہ روح کو کامل خیال کرتے ہیں اور روح کے

"مطالعۂ مکتوبات را لازم گیرند کہ سود منداست"

(دفتر اول مکتوب ۲۳۷)

مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی

شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ السامی

کے

دفترِ دوم

کا

اردو ترجمہ

مترجمہ

حضرت مولانا سیّد زوّار حسین شاہ صاحبؒ

ناشر

ادارۂ مجدّدیہ : ۲/۵، ایچ ، ناظم آباد ۳، کراچی

ثابت ہو رہا ہے جیسا کہ آیت وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ[1] سے ظاہر ہے۔ اِس آیت میں ایک لطافتِ بیان یہ ہے کہ اس گروہ کا ذکر تو اس میں کیا گیا جو صحابہؓ میں سے ٹھہرائے گئے۔ لیکن اس جگہ اس موردِ بروز کا بتصریح ذکر نہیں کیا یعنی مسیح موعود کا جس کے ذریعہ سے وُہ لوگ صحابہ ٹھہرے اور صحابہؓ کی طرح زیر تربیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سمجھے گئے۔ اِس ترکِ ذکر سے یہ اشارہ مطلوب ہے کہ موردِ بروز حکم نفی وجود کا رکھتا ہے اِس لئے اُسکی بروزی نبوت اور رسالت سے مُہرِ ختمیت نہیں ٹوٹتی۔ پس آیت میں اسکو ایک وجود منفی کی طرح رہنے دیا اور اسکے عوض میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کر دیا ہے۔ اور اسی طرح آیت اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ[2] میں ایک بروزی وجود کا وعدہ دیا گیا جسکے زمانہ میں کوثر ظہور میں آئیگا یعنی دینی برکات کے چشمے بہہ نکلیں گے۔ اور بکثرت دُنیا میں سچے اہلِ اسلام ہو جائیں گے۔ اِس آیت میں بھی ظاہری اولاد کی ضرورت کو نظرِ تحقیر سے دیکھا اور بروزی اولاد کی پیشگوئی کی گئی۔ اور گو خدا نے مجھے یہ شرف بخشا ہے کہ میں اسرائیلی بھی ہوں اور فاطمی بھی۔ اور دونوں خونوں سے حصہ رکھتا ہوں لیکن میں رُوحانیت کی نسبت کو مقدم رکھتا ہوں جو بروزی نسبت ہے۔ اب اِس تمام تحریر سے مطلب میرا یہ ہے کہ جاہل مخالف میری نسبت الزام لگاتے ہیں کہ یہ شخص نبی یا رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے مجھے ایسا کوئی دعویٰ نہیں۔ میں اِس طور سے جو وُہ خیال کرتے ہیں نہ نبی ہوں نہ رسول ہوں۔ ہاں میں اِس طور سے نبی اور رسول ہوں جس طور سے ابھی میں نے بیان کیا ہے۔ پس جو شخص میرے پر شرارت سے یہ الزام لگاتا ہے جو دعویٰ نبوت اور رسالت کا کرتے ہیں وُہ جھوٹا اور ناپاک خیال ہے۔ مجھے بروزی صُورت نے نبی اور رسول بنایا ہے اور اسی بنا پر خدا نے بار بار میرا نام نبی اللہ اور رسول اللہ رکھا مگر بروزی صورت میں۔ میرا نفس درمیان نہیں ہے۔ بلکہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اسی لحاظ سے میرا نام محمدؐ اور احمدؐ ہوا۔ پس نبوت اور رسالت کسی دُوسرے کے پاس نہیں گئی۔ محمدؐ کی چیز محمدؐ کے پاس ہی رہی۔ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام۔

خاکسار میرزا غلام احمدؐ از قادیان

۵ر نومبر ۱۹۰۱ء

[1] الجمعۃ: ۴ [2] الکوثر: ۲

بنیادی وجہ یہ حقیقت ہے کہ خودی کی فردیت کسی حسی اور تجربی پس منظر یا کسی ٹھوس مقامی حوالے کے بغیر تصور ہی نہیں کی جا سکتی۔ قرآن کی مندرجہ ذیل آیات اس نقطۂ نظر پر کچھ روشنی ڈالتی ہیں:

ذٰلِکَ رَجْعٌ بَعِیْدٌ ۝ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا کِتٰبٌ حَفِیْظٌ ۝

(۴-۳:۵۰) ۶۴۔

(پھر منکرین کہتے ہیں کہ یہ تو عجیب سی بات ہے کہ کیا جب ہم سب مر جائیں گے اور مٹی میں مل چکے ہوں گے تو دوبارہ زندگی دیئے جائیں گے) یہ زندگی کی طرف واپسی تو قرین عقل نہیں۔ زمین ان کے جسم میں سے جو کچھ کھا جاتی ہے وہ سب کچھ ہمارے علم میں ہے اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے۔ جس میں ہر شئے کا حساب کتاب محفوظ کر دیا گیا ہے

میرے خیال میں یہ آیات کائنات کی اس ماہیت کے بارے میں ہمیں کھلے طور پر بتاتی ہیں کہ انسانی اعمال کے حتمی حساب کتاب کے لئے کسی اور قسم کی انفرادیت کا قائم رکھنا نہایت ضروری ہے خواہ اس موجودہ ماحول میں اس کی انفرادیت کو متشخص کرنے والی شئے منتشر ہی کیوں نہ ہو جائے۔ وہ دوسری قسم کیا ہے اس کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے اور نہ ہی اپنی دوسری بار جسمانی تخلیق کی نوعیت کے بارے میں کچھ مزید علم رکھتے ہیں __ [۶۵] خواہ یہ جسم کتنا ہی لطیف کیوں نہ ہو __ کہ وہ کس طرح وقوع پذیر ہو گی۔ قرآن کی تمثیلات اس کو ایک حقیقت قرار دیتی ہیں: وہ اس کی ماہیت اور کردار کے بارے میں کچھ ظاہر نہیں کرتیں۔ فلسفیانہ انداز سے بات کریں تو ہم اس سے زیادہ آگے نہیں جا سکتے کہ انسانی تاریخ کے ماضی کے تجربے کی روشنی میں یہ نقطۂ نظر غیر اغلب ہے کہ انسان کے جسم کے ختم ہونے کے ساتھ ہی اس کی ہستی بھی انجام کو پہنچ جائے گی۔

تاہم قرآن کی تعلیمات کے مطابق انسان کو جب دوبارہ اٹھایا جائے گا تو اس کی نظر بہت تیز ہو گی (۵۰:۲۲) جس کے باعث وہ صاف طور پر اپنی گردن میں پڑی ہوئی خود اپنے اعمال سے بنائی ہوئی تقدیر کو دیکھ لے گا۔ [۶۶] جنت اور دوزخ دونوں حالتیں ہیں مقامات نہیں۔ قرآن میں ان کی تصویر کشی انسان کی داخلی کیفیت یعنی کردار کا بصری اظہار ہے۔ [۶۷] قرآن کے الفاظ میں دوزخ دلوں پر مسلط خدا کی دہکائی ہوئی آگ ہے [۶۸] جو انسان کو اس کی ناکامی کے اذیت ناک احساس میں مبتلا رکھتی ہے اور جنت انسانی خودی کو تباہ کرنے والی قوتوں پر قابو پانے کا

مستحق ہی نہیں سمجھتے۔ تو اگرچہ ڈاکٹر صاحب کے یہ اعتراضات بظاہر تو حضرت مُلّا پر ہیں لیکن درحقیقت خود حضرتِ اللہ پر ہیں جل جلالہٗ۔ ہم اپنے رسالہ مسمّٰی بنام تاریخی قھر القادر علی الکفار اللیاڈر میں بیان کر چکے کہ نیچری لیڈر نیچری سٹر نیچری ریفارمر نیچری اسپیکر نیچری ایڈیٹر اگرچہ اللہ تعالیٰ ہی پر بے پردہ حملے کرنا چاہتے ہیں لیکن دین دار مسلمانان اہلسنت کے یکلخت متنفر و مخالف و بیزار ہو جانے کا خیال ان کو لرزا دیتا ہے۔ کپکپا دیتا ہے۔ اس لئے وہ بے چارے مُلّا کو سُنا لیتے ہیں۔ اور اسی طرح غیظ و غضب کی آگ بجھا لیتے ہیں۔ اس نظم میں ڈاکٹر صاحب نے بھی یہی وتیرہ اختیار کیا ہے۔ فالی اللہ المشتکیٰ!

ڈاکٹر صاحب کے قلب میں ابلیس کی بھی بہت عزت و عظمت معلوم ہوتی ہے جس کا جابجا اظہار ہو رہا ہے۔ اسی "بالِ جبریل" کے صفحہ ۱۹۲ سے صفحہ ۱۹۴ تک حضرت جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام کا ابلیس ملعون سے ایک مکالمہ گڑھا جس میں ابلیس کو ایسے راز سے سرمست بتایا جس سے جبریل علیہ الصلاۃ والسلام بھی واقف نہیں۔ چنانچہ ابلیس کی زبان سے فرماتے ہیں ؎

آہ اے جبریل تو اس راز سے واقف نہیں!

کر گیا سرمست مجھ کو توڑ کر میرا سبو

پھر ابلیس ہی کی زبان سے ابلیسی جرأت اور ابلیسی بہادری کے خطبے پڑھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

خضر بھی بے دست و پا الیاس بھی بے دست و پا

میرے طوفاں یم بہ یم دریا بہ دریا جو بہ جو!

یعنی ڈاکٹر صاحب کی زبان پر ابلیس بول رہا ہے کہ ہر ہر سمندر ہر ہر دریا ہر ہر نہر

ـــــــــــــــــــ

۱؎ آڑ بنا کر جس قدر گالیاں بدگویاں اللہ عزوجل کو سنانا چاہتے ہیں غریب مُلّا کو

بفیضِ روحانی تاجدارِ اہلسنت شہزادۂ اعلیٰحضرت سرکار حضور مفتی اعظم رضی اللہ عنہ
مسمیٰ بنام تاریخی مشعرِ سالِ تصنیف

تجانب اہل السنۃ عن اہل الفتنۃ

ملقب بلقب تاریخی مشعرِ سالِ تکمیل

اجتناب اہل السنۃ عن اہل الفتنۃ

۹۱ ھ ۱۳

تصنیف لطیف

ناصر سنیت کاسر نجدیت ناظر اہلسنت حضرت علامہ مولانا مفتی
محمد طیب صاحب صدیقی قادری برکاتی دانا پوری علیہ الرحمۃ والرضوان

ناشر
مدرسہ گلشن رضا. کولمبی. ضلع ناندیڑ (مہاراشٹر)

حاکم کے خوف سے اپنے تمام فتووں کو برباد کر لیا اور حکّام کے سامنے اقرار کر دیا کہ
مَیں آئندہ ان کو کافر نہیں کہوں گا۔ اور نہ ان کا نام دجّال اور کاذب رکھوں گا۔
پس سوچنے کے لائق ہے کہ اس سے زیادہ اور کیا ذلّت ہوگی کہ اُس شخص نے
اپنی عمارت کو اپنے ہاتھوں سے گرایا۔ اگر اُس عمارت کی تقویٰ پر بنیاد ہوتی۔ تو
ممکن نہ تھا کہ محمد حسین اپنی قدیم عادت سے باز آجاتا۔ ہاں یہ سچ ہے کہ اس
نوٹس پر مَیں نے بھی دستخط کئے ہیں۔ مگر اس دستخط سے خدا اور منصفوں
کے نزدیک میرے پر کچھ الزام نہیں آتا۔ اور نہ ایسے دستخط میری ذلّت کا
موجب ٹھہرتے ہیں۔ کیونکہ ابتدا سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعوے
کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجّال نہیں ✽ ہو سکتا۔ ہاں ضالّ اور
جادۂ صواب سے منحرف ضرور ہوگا۔ اور مَیں اس کا نام بے ایمان نہیں رکھتا۔
ہاں مَیں ایسے سب لوگوں کو ضالّ اور جادۂ صدق و صواب سے دُور سمجھتا ہوں
جو ان سچائیوں سے انکار کرتے ہیں جو خدا تعالیٰ نے میرے پر کھولی ہیں۔ مَیں

✽ یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اپنے دعوے کے انکار کرنے والے کو کافر کہنا یہ صرف اُن نبیوں
کی شان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں۔ لیکن صاحب الشریعت کے
ماسوا جس قدر مُلہم اور محدّث ہیں گو وہ کیسی ہی جناب الٰہی میں اعلیٰ شان رکھتے ہوں اور خلعتِ
مکالمہ الٰہیہ سے سرفراز ہوں۔ ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بنجاتا۔ ہاں بد قسمت منکر جو
ان مقربانِ الٰہی کا انکار کرتا ہے وہ اپنے انکار کی شامت سے دن بدن سخت دل ہوتا جاتا
ہے۔ یہاں تک کہ نورِ ایمان اُس کے اندر سے مفقود ہو جاتا ہے اور یہی احادیث نبویہ
سے مستنبط ہوتا ہے کہ انکارِ اولیاء اور ان سے دشمنی رکھنا اوّل انسان کو غفلت اور
دُنیا پرستی میں ڈالتا ہے اور پھر اعمالِ حسنہ اور افعالِ صدق اور اخلاص کی اُن سے توفیق
چھین لیتا ہے۔ اور پھر آخر سلبِ ایمان کا موجب ہو کر دینداری کی اصل حقیقت اور مغز سے
اُنکو بے نصیب اور بے بہرہ کر دیتا ہے۔ اور یہی معنے ہیں اس حدیث کے کہ من عادا

۱۳۱

احساس کامرانی و شادمانی ہے۔ اسلام میں ابدی عذاب ایسی کوئی چیز نہیں۔ بعض آیات میں دوزخ سے متعلق 'ہمیشہ'
(خالدین) کا لفظ استعمال ہوا ہے جو قرآن نے کئی اور مقامات پر خود واضح کر دیا ہے کہ اس کا مطلب بھی ایک مخصوص
عرصہ ہے۔ انسانی شخصیت کے ارتقاء سے وقت کو بالکل غیر متعلق قرار نہیں دیا جا سکتا۔ سیرت کا رجحان پختگی کی طرف
ہوتا ہے۔ اس کا نئی صورت میں ڈھلنا وقت کا تقاضا کرتا ہے۔ دوزخ، جیسا کہ بیان کیا ہے، ایسا گڑھا نہیں جو ایک
منتقم مزاج خدا نے انسان کو مستقلاً عذاب دینے کے لئے بنایا ہے[۶۹] بلکہ یہ انسان کی اصلاح کا تجربہ ہے جو خدا کی
رحمت کے حصول کے لئے ایک پتھرائی ہوئی خودی کو زیادہ حساس بنا سکتا ہے۔[۷۰] نہ ہی جنت کوئی تعطیل ہے۔

زندگی یکتا اور متسلسل ہے۔ انسان ہمیشہ حقیقت مطلقہ سے تازہ روشنی حاصل کرنے کے لئے آگے کی سمت بڑھتا رہتا
ہے جو ہر لحظہ نئی آن اور نئی شان سے ظاہر ہوتی ہے[۷۱] اور خدا سے روشنی کا حصول محض انفعالی نہیں۔ آزاد خودی کا ہر عمل
ہر دم ایک نئی صورت حال پیدا کرتا ہے اور یوں وہ تخلیقی کشود کے مزید مواقع فراہم کرتا ہے۔